نشانِ مردِ مومن

سید سجاد حیدر صفوی

مطہریؒ فکری و ثقافتی مرکز۔ کشمیر

کتابنامہ

کتاب کانام: نشان مرد مومن

خطبہ کا ترجمہ: سید عابد رضا نوشاد

توضیح و تشریح: سید سجاد حیدر صفوی

نظرثانی: غلام حسین متو

طبع اول: اپریل 2015

تعداد: 2000

ناشر: مطہریؒ فکری و ثقافتی مرکز- کشمیر

فہرست

حرف ناشر

نہج البلاغہ ایک ایسے حکیم اور فلسفی کی باتیں ہر گز نہیں ہیں جو زندگی کے شور شرابے سے بے خبر اور مختلف قسم کے مسائل میں گھرے سماج سے لاتعلق رہ کر اسلامی تعلیمات کی تلقین کرتا ہے۔ بلکہ ایک ایسے انسان کی باتیں ہیں جو اپنے کندھوں پر ایک عظیم امت کی ذمہ داری محسوس کر رہا ہے، وہ دین شناس اور تمام اسلامی و قرآنی تعلیمات کا مجسم پیکر ہے اور یہ کہ وہ معرفت سے مالا مال دل، باعظمت روح اور ایک ذمہ دار منصب سے لوگوں سے مخاطب ہے۔ وہ ان سے باتیں کرتا ہے، ان کے سوالات کا جواب دیتا ہے۔ان ہی اسباب و حالات میں نہج البلاغہ وجود میں آتی ہے۔

اگر ہم نہج البلاغہ سے تھوڑی سی آگاہی حاصل کر لیں اور اس کتاب کی جانب قدم بڑھائیں تو اس صورت میں اس راہ کا سد باب ہو سکتا ہے جس کے ذریعے چھوٹے بڑے داخلی دشمن ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسی طرح بڑی ظالم طاقتوں کو بھی روکا جاسکتا ہے جو ہماری غفلت اور اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر ہم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ نہج البلاغہ بہترین مباحث اور حقیقی اسلامی تعلیمات کا مجموعہ ہے اور ایک مسلمان سے لے کر ایک اسلامی معاشرہ کو جن مسائل کی ضرورت پڑتی ہے اس کے حوالے سے کوئی نہ کوئی بات، اشارہ یا دو ٹوک رہنمائی نہج البلاغہ میں ضرور ملتی ہے؛ یعنی توحید اور اسلامی اعتقادات سے لے کر اصول دین، اخلاق، تہذیب نفس، تزکیہ نفس، اور

سیاست و جہان بانی سے لے کر اجتماعی سر گرمیوں کی مدیریت اور ساتھ ہی ساتھ اخلاقی، اجتماعی تعلقات، جنگ وسیاست اور حکمت وعلم وغیرہ۔

نہج البلاغہ کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک تقویٰ ہے یعنی ایک ایماندار انسان اپنے عمل کا خیال رکھے، محتاط رہے، ہوش کے ناخن لے اور اپنے حرکات و سکنات اور اپنے کردار پر نظر رکھے۔ اپنے ایمان کی بنیاد پر جس راہ کا وہ انتخاب کر چکا ہے غفلت اور شہوت اسے منحرف نہ کرے کہ وہ اس خیال میں رہتا ہے کہ صحیح راہ پر گامزن ہے اور جب آنکھیں کھلتی ہیں تو خود کو راہ راست سے منحرف پاتا ہے۔

یہ کتاب اسی اہم موضوع کو پیش کرتی ہے اور نہج البلاغہ کے ایک خطبہ، خطبہ ہمام یا خطبہ متقین کو مختصر توضیح و تشریح کے ساتھ پیش کرتی ہے جس میں متقین کے صفات اور اہل تقوا کے روز وشب کے شڈول کو بیان کیا گیا ہے۔

امید ہے تعلیمات نہج البلاغہ کی ترویج و تبلیغ میں یہ ایک مفید اور موثر قدم ثابت ہوگا اور قارئین کرام اس سے مستفید ہوں گے۔

آخر میں اس بات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ خطبہ کا ترجمہ فاضل محترم برادر ارجمند جناب مولانا سید عابد رضا رضوی صاحب نے کیا ہے اور توضیح و تشریح کی زحمت محترم سید سجاد حیدر صفوی صاحب نے اٹھائی ہے جس کے لئے ہم دونوں حضرات کے نہایت ممنون ومشکور ہیں۔ اور خدا سے دعا گو ہیں کہ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کی اس سعی کو اپنی بارگاہ میں درجہ قبولیت عطا فرمائے۔

مطہریؒ فکری و ثقافتی مرکز۔ کشمیر

خطبہ متقین

نہج البلاغہ / خطبہ 193

يَصِفُ فِيهَا الْمُتَّقِينَ
رُوِي أنّ صاحِباً لأميرالمُؤمنِينَ(عليه السلام) يُقالَ لَهُ هَمّامُ كانَ رَجُلاً عابداً، فَقالَ لَهُ: يا أَميرالمُؤمنينَ، صِفْ لِي الْمُتَّقِينَ حَتّى كَأَنى أَنظُرُ إِلَيْهِمْ. فَتَثاقَلَ(عليه السلام) عَنْ جَوابِهِ ثُمَّ قالَ: يا همَّام ! اِتَّقِ اللهَ وَ أَحْسِنْ: فَـ (ـاِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّ الَّذينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ). فَلَمْ يَقْنَعْ هَمّامُ بِهذَا الْقَوْلُ حَتّى عَزَمَ عَلَيْه، فَحَمِدالله و أَثنى عَلَيهِ، وَ صلّى عَلَى النَّبِيِّ(صلى الله عليه وآله) ثُمَّ قالَ(عليه السلام):
روایت ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے ہمام نامی ایک عابد و زاہد صحابی نے حضرت سے عرض کی: اے امیر المومنینؑ! میرے لئے متقین کے اوصاف کو اس طرح بیان فرمایئے جیسے میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔امامؑ نے جواب دینے میں کچھ تامل کیا اور فرمایا: اے ہمام خدا سے ڈرو اور نیک اعمال انجام دو کیوں کہ خداوند عالم ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقوی اختیار کیا اور جو نیک اعمال انجام دینے والے ہیں۔ لیکن ہمام نے اس پر اکتفانہ کی اور اپنی بات پر مصر ہو گئے جس کی وجہ سے امامؑ نے حمد و ثنائے خدا کے بعد پیغمبر اسلامؐ پر درود بھیجا اور فرمایا:

خطبہ ایک نگاہ میں

اگر پورے خطبہ پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو یہ خطبہ صاحبان تقویٰ کے صفات اور ان کی خصوصیات بیان کرتا ہے کہ جس میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے تقریبا 110 صفات بیان کئے ہیں اور ہمارے سامنے اہل تقویٰ کی ایک مکمل تصویر پیش کی ہے۔ لیکن اگر کچھ گہرائی کے ساتھ اس خطبہ کو دیکھا جائے تو خطبہ ایک پرہیزگار انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو جامعیت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

خطبہ کے ایک حصہ میں مومن کے انفرادی اخلاق اور اخلاقی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک حصہ میں معاشرتی واجتماعی اخلاق کی گفتگو کی گئی ہے۔خطبہ کا بعض حصہ اعتقادی و دینی مسائل میں متقی انسان کی شان و منزلت کو بیان کرتا ہے اور ایک حصہ گفتار و کردار میں مومن کی پرہیزگاری سے متعلق ہے۔

خطبہ کے ایک حصہ میں صاحبان تقویٰ کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں کہ اگر ہم اہل تقویٰ کو پہچاننا چاہیں تو کن نشانیوں اور علامتوں کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں۔

اور خطبہ کے آخری حصہ میں ایک حادثہ کا تذکرہ ملتا ہے کہ جس شخص نے امام سے متقین کے صفات بیان کرنے کا اصرار کیا تھا وہ یہ باتیں سن کر دنیا ہی سے چل بسا اور شاید امام کا اسے پہلے اختصار کے ساتھ بتانے کا یہی مقصد تھا کہ امام جانتے تھے کہ وہ یہ باتیں برداشت نہ کرپائے گا اور دنیا ہی سے رخصت ہو جائے گا۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام کے مختصر جواب کا ہمام کے سوال سے کیا اور کتنا تعلق ہے؟ کیونکہ ہمام نے امامؑ سے متقین کے صفات پوچھے تھے لیکن امامؑ نے صفات بتانے کے بجائے تقویٰ اور نیک رفتار و کردار کی وصیت کی اور پھر تقوے کا فاہدہ بیان فرمایا جبکہ پہلی نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ تقوا اختیار کرنے کی تلقین ہمام کے سوال کا جواب ہے اور نہ ہی اس کے فائدہ کو بیان کرنا اس کا جواب۔

بظاہر امامؑ علیہ السلام اسے یہ سمجھانے چاہتے ہیں کہ تقوا کا مفہوم اجمالی طور پر سب کے لئے روشن ہے اب تم عمل کے راستے پر چل پڑو تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ اور اس کے فائدہ کا ذکر اس لئے کیا تا کہ انہیں تقوے کے راستے پر چلنے کی ترغیب دلائیں کہ جو عمل اتنا فائدہ مند ہو اسے ترک نہیں کرنا چاہیے۔

أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ اللّهَ ـ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى ـ خَلَقَ الْخَلْقَ حِينَ خَلَقَهُمْ غَنِيًّا عَنْ طَاعَتِهِمْ، آمِناً مِنْ مَعْصِيَتِهِمْ، لِاَنَّهُ لاَ تَضُرُّهُ مَعْصِيَةُ مَنْ عَصَاهُ، وَ لاَ تَنْفَعُهُ طَاعَةُ مَنْ أَطَاعَهُ. فَقَسَمَ بَيْنَهُمْ مَعَايِشَهُمْ، وَ وَضَعَهُمْ مِنَ الدُّنْيَا مَوَاضِعَهُمْ.
بیشک اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو خلق کیا تو انکی اطاعت سے بے نیاز اور ان کی معصیتوں سے بے خطر تھا اس لئے کہ معصیت کار کی معصیت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور اطاعت گذار کی اطاعت اس کے لئے فائدہ بخش نہیں، اس نے بندوں کی رزق و روزی کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا اور دنیا میں ہر ایک کو اس کے مناسب مقام پر رکھا۔

خطبہ کاآغاز

خطبہ کا آغاز ہمیشہ کی طرح پروردگار کی حمد وثنا سے کیا جارہاہے اور اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا جارہاہے کہ خدا بالکل بے نیاز ہے اور اگر تقوے کے بارے میں اس کی طرف سے اس خطبہ میں سنگین دستور العمل بیان کیا جارہاہے تو یہ انسان کے لئے کمال کا راستہ طے کرنے کا دستور ہے ورنہ ان چیزوں سے نہ خدا کی شان میں کوئی اضافہ ہوگا اور نہ کسی کی نافرمانی کی وجہ سے اس کی شان میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ اس منشور تقوا پر عمل پیرا ہونا انسان کے دنیوی واخروی فائدہ میں ہے اور اس سے نافرمانی بھی انسان ہی کے نقصان میں ہے۔ یہ تو خدا کا لطف وکرم ہے کہ وہ ہماری تمام تر نالائقیوں اور نافرمانیوں کے باوجود ہمیں اپنے دستر خوان نعمت سے محروم نہیں کرتا۔ اب اس درمیان اگر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد بھوک وافلاس سے مر رہے ہیں تو اس کی وجہ خدا کے وہ سرکش بندے ہیں جنہوں نے عادل خدا کی زمین پر اپنا غیر عادلانہ نظام لاگو کر رکھا ہے اور دنیا پر سرمایہ دارانہ نظام کی منحوس چادر اڑھا کر دوسروں کا حق غصب کر رہے ہیں۔ ورنہ وہ تو اتنا کریم پروردگار ہے کہ سمندر کی گہرائیوں میں رکھے ہوئے پتھروں کے نیچے رہنے والے کیڑے مکوڑوں کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔" وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلاَّ عَلَى اللّهِ رِزْقُهَا"[1] زمین پر بسنے والا کوئی بھی جاندار ایسا نہیں ہے جسے خدا رزق نہ پہنچاتا ہو۔

فَالْمُتَّقُونَ فِيهَا هُمْ أَهْلُ الْفَضَائِلِ: مَنْطِقُهُمُ الصَّوَابُ، وَ مَلْبَسُهُمُ الاِقْتِصَادُ، وَ مَشْيُهُمُ التَّوَاضُعُ. غَضُّوا أَبْصَارَهُمْ عَمَّا حَرَّمَ اللّهُ عَلَيْهِمْ، وَ وَقَفُوا أَسْمَاعَهُمْ عَلَى الْعِلْمِ النَّافِعِ لَهُمْ. نُزِّلَتْ أَنْفُسُهُمْ مِنْهُمْ

[1] سورہ ہود/6

فِي الْبَلاَءِ كَالَّتِي نُزِّلَتْ فِي الرَّخَاءِ. وَ لَوْلاَ الأَجَلُ الَّذِي كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لَمْ تَسْتَقِرَّ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، شَوْقاً إِلَى الثَّوَابِ، وَ خَوْفاً مِنَ الْعِقَابِ. عَظُمَ الْخَالِقُ فِي أَنْفُسِهِمْ فَصَغُرَ مَادُونَهُ فِي أَعْيُنِهِمْ، فَهُمْ وَ الْجَنَّةُ كَمَنْ قَدْ رَآهَا، فَهُمْ فِيهَا مُنَعَّمُونَ، وَ هُمْ وَ النَّارُ كَمَنْ قَدْ رَآهَا، فَهُمْ فِيهَا مُعَذَّبُونَ. قُلُوبُهُمْ مَحْزُونَةٌ، وَ شُرُورُهُمْ مَأْمُونَةٌ، وَ أَجْسَادُهُمْ نَحِيفَةٌ، وَ حَاجَاتُهُمْ خَفِيفَةٌ، وَ أَنْفُسُهُمْ عَفِيفَةٌ. صَبَرُوا أَيَّاماً قَصِيرَةً أَعْقَبَتْهُمْ رَاحَةً طَوِيلَةً. تِجَارَةٌ مُرْبِحَةٌ يَسَّرَهَا لَهُمْ رَبُّهُمْ. أَرَادَتْهُمُ الدُّنْيَا فَلَمْ يُرِيدُوهَا، وَ أَسَرَتْهُمْ فَفَدَوْا أَنْفُسَهُمْ مِنْهَا.
چنانچہ ان میں سے صاحب فضیلت وہی ہیں جو متقی و پرہیز گار ہیں۔ ان کی گفتگو صحیح و درست، لباس معتدل اور ان کی رفتار تواضع و فروتنی ہے۔ انہوں نے حرام خدا سے چشم پوشی کر لی ہے اور اپنی سماعتوں کو مفید علم کے حوالے کر دیا ہے، زحمت و مشقت اور آرام و آسائش میں ان کے نفس یکساں کیفیت کے حامل ہوتے ہیں، اگر زندگی کی معین مدت نہ ہوتی تو شوق ثواب اور خوف عذاب کی وجہ سے پلک جھپکنے بھر بھی ان کی روحیں ان کے جسموں میں نہ ٹھہرتیں۔ ان کے نفسوں میں خالق کی عظمت ساکن ہے لہٰذا تمام غیر خدا ان کی نظروں میں چھوٹے ہیں، وہ جنت پر اس طرح یقین رکھتے ہیں کہ جیسے اسے دیکھا ہو گو یا وہ اسی وقت جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور جہنم کا بھی انہیں ایسا ہی یقین ہے جیسے اسے دیکھا ہو لہٰذا وہ ایسا محسوس کرتے ہیں جیسے اس کا عذاب انہیں ستا رہا ہو۔ ان کے قلوب محزون اور لوگ ان کے شر سے محفوظ ہیں، ان کے بدن لاغر، حوائج و ضروریات قلیل اور ان کے نفس عفیف و پاکیزہ ہیں۔ انہوں نے مختصر ایام کی مصیبتوں پر صبر کیا جس کے نتیجہ میں انہیں دائمی آسائش حاصل ہوئی، یہ ایک ایسی فائدہ مند تجارت ہے جو خداوند عالم نے

ان کے لئے مہیا فرمائی ہے۔ دنیا نے انہیں چاہا لیکن انہوں نے اسے ٹھکرا دیا، اس نے انہیں اسیر و قیدی بنایا تو انہوں نے اپنے نفس کو قربان کر کے خود کو بچا لیا۔

متقین کے اوصاف

1۔ صحیح گفتگو

"مَنْطِقُهُمُ الصَّوَابُ" انسان کی تربیت اور خود سازی کے پہلے قدم کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے "زبان کی اصلاح" کیونکہ سب سے زیادہ گناہان کبیرہ اسی زبان کے ذریعہ انجام پاتے ہیں اور عبادت کا بہترین ذریعہ بھی یہی ہے۔ تلاوت قرآن، نماز، ذکر و تسبیح، وعظ و نصیحت، حکمت آمیز گفتگو وغیرہ۔ اگر اس ایک چیز کی اصلاح ہو جائے تو انسان کے پورے وجود کی اصلاح ہو جائے گی اور اگر یہ فاسد ہو جائے تو سب کچھ برباد ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید نے اس طرح اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلا سَدِيداً * يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ"[2] اے ایمان لانے والو! تقوا اختیار کرو اور صحیح بات کہو تا کہ خدا تمہارے اعمال کی اصلاح کرے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے۔

[2] سورہ احزاب/70 و 71

2۔اعتدال اور میانہ روی

"وَ مَلْبَسُهُمُ الاِقْتِصَادُ "کا مطلب یہ ہے "میانہ روی اور اعتدال"ان کا لباس ہے۔البتہ بعض افراد نے اس کا مطلب خود لباس پہننے میں میانہ روی اور اعتدال کیا ہے جو ظاہری طور پر صحیح ہو سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ لباس پہننے میں بھی اسراف و تبذیر اور افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے۔ لیکن لباس کے وسیع معنی مراد لئے جائیں تو جیسے قرآن مجید کی بعض آیتوں میں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا یہ انسان کی پوری زندگی پر اعتدال اور میانہ روی حاکم ہونی چاہیے۔"وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذٰلِكَ خَيْرٌ"[3]اور تقویٰ کا لباس ہی تمہارے لئے بہترین لباس ہے"وَهُوَ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاساً"[4]اور وہ ذات جس نے رات کو تمہارے لئے لباس قرار دیا"هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"[5] وہ تمہارا لباس اور تم ان کا لباس ہو۔ان آیتوں میں لباس کے وسیع معنی مراد ہیں۔

3۔تواضع وانکساری

"مَشْيُهُمُ التَّوَاضُعُ" میں بھی صرف راستہ چلنے میں تواضع مراد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تواضع انسان کی زندگی کا ایک ایسا راستہ بننا چاہیے جس پر وہ ہمیشہ چلتا رہے ورنہ صرف چلتے وقت تواضع مومن کی بہت اہم خاصیت نہیں ہے۔

---

[3]سورہ اعراف/26
[4]سورہ فرقان/47
[5]سورہ بقرہ/187

4۔ حرام سے چشم پوشی

حرام چیزوں سے چشم پوشی یہاں صرف نگاہوں کو حرام چیزوں سے بچانااور حرام چیزوں کی طرف نہ دیکھنا نہیں ہے بلکہ "چشم پوشی" کے عام معنی مراد ہیں جس کا ایک مصداق "حرام نگاہ" ہے۔ حرام چیزوں سے چسم پوشی یعنی متقی انسان خدا کے لئے تمام حرام چیزوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔ البتہ صرف حرام نگاہ بھی اتنی خطرناک ہے روایت میں اسے "شیطان کا تیر" کہا گیا ہے۔

5۔ کانوں سے مفید علم سننا

متقین کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ غیر ضروری اور فالتو باتیں نہیں سنتے۔ وہ اپنے کانوں کو ایسی باتوں اور آوازوں سے محفوظ رکھتے ہیں جو انہیں خدا سے دور کردے۔ یہاں مفید علم سے مراد پہلی نظر میں مطلق طور پر کوئی بھی فائدہ مند علم ہے لیکن اگر مفید علم بھی صحیح تعریف کی جائے تو "خدا، سول، اہلبیت اور دین" کی باتیں مفید علم کا درجہ رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے یہاں مراد صرف "علم دین" نہیں ہے بلکہ ہر وہ علم جو انسان کی دنیا و آخرت کے لئے ضروری ہو۔

6۔ تسلیم و رضا

متقین کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ نعمتوں کی وجہ سے مست اور مغرور نہیں ہوتے اور بلا و مصیبت میں جزع و فزع نہیں کرتے بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا کے سامنے سراپا تسلیم رہتے ہیں۔ وہ مشکلات سے لڑتے ہیں اور خدا کی نعمتوں کے حصول کے لئے کار و کوشش بھی کرتے ہیں لیکن جہاں کوئی کام ان کے ارادہ و اختیار سے باہر ہے وہاں سرنڈر ہو جاتے

ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں خدا ان کے لئے ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے وہ ان کے ساتھ جو بھی کرتا ہے مصلحت کے عین مطابق کرتا ہے۔دوسری طرف وہ یہ بھی جانتے ہیں مصیبتوں پر جزع وفزع سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ یہ کام ان کے اجر وثواب کو ضائع کر دیتا ہے اور کبھی مشکلات میں اضافہ کا باعث اور کبھی ناامیدی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

7۔خوف وامید

صاحب تقوا انسان کی مثال اس پرندے کی طرح ہے جو ایک پنجرے میں بند ہو اور اس کے سامنے دو منظر ہوں۔ایک طرف سرسبز باغ ہوں جہاں وہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہو اور دوسری طرف آگ کا دریا ہو جو اسے لپکنے کے لئے آمادہ ہو۔اور اس پرندے کی ہر آن یہ آرزو ہوتی ہے کہ پنجرہ کھلے اور وہ خود کو اس آگ سے بچاتے ہوئے سرسبز باغ تک پہنچائے۔اسی لئے جب تک وہ پنجرے میں ہے آگ سے بچنے کی تدبیریں بھی کرتا ہے اور باغ تک پہنچنے کی کوشش بھی۔ روایت میں ہے کہ دنیا مومن کے لئے ایک قید خانہ کی طرح ہے لیکن اسے بہرحال ایک معین مدت تک اس قید خانہ میں رہنا ہے تب تک اس دنیا میں وہ ایک طرف شوق ثواب اور جنت کی امید رکھتا ہے تو دوسری طرف خوف عذاب اور آتش جہنم کا ڈر بھی ہوتا ہے اور یہ آرزو کرتا ہے کہ خود کو جہنم سے بچاتے ہوئے جنت میں داخل ہو جائے۔اس کے لئے وہ ایسے کام بھی کرتا ہے جن سے جنت اعلٰی کا مستحق بن سکے اور ان کاموں سے بھی دوری اختیار کرتا ہے جو اسے جہنم کی آگ میں ڈھکیلنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ایک طرف خدا کی رحمت،اس کے فضل اور ثواب کی امید لگائے رہتے ہیں اور دوسری طرف انہیں خوف بھی ہوتا ہے کہ کہیں پھسل نہ

جائیں، کہیں بہک نہ جائیں، کہیں شیطان کے جال میں پھس نہ جائیں۔اس لئے ہمیشہ ہوشیار رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جناب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی: بیٹااس طرح خدا سے ڈرو کہ اگر تمام جن وانس کے برابر نیک اعمال کے ساتھ خدا کے سامنے حاضر ہو پھر بھی اس بات کا خوف رکھو کہ کہیں جہنم کے مستحق نہ بن جاؤاور خدا کے لطف ورحمت پر اتنی امید رکھو کہ اگر تمام جن انس کے گناہوں کے ساتھ خدا کے حضور پہنچو تواپنے بخشے جانے کی امید رکھو۔[6]

8۔غیر خداان کی نظروں میں حقیر ہے

صاحبان تقوا خدا کے تمام صفات و کمالات کو اس کی لا محدود وسعتوں کے ساتھ درک کرتے ہیں اسی لئے دنیاانہیں اس کی عظمت کے سامنے بالکل چھوٹی نظر آتی ہے۔ظاہر ہے جو شخص وسیع سمندر کے کنارے کھڑاہواس کے سامنے ایک قطرے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اور جس کی آنکھیں سورج کی عظمت کاادراک رکھتی ہوں اس کے سامنے شمع کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ایساانسان کائنات کی تمام اشیاء کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے اسی لئے وہ اس مرحلہ پر پہنچ جاتا ہے کہ گناہ نہیں کرتا یاتاج عصمت پہن لیتا ہے۔یہی وہ مرحلہ ہے جہاں علی آواز دیتے ہیں "اگر ساتوں جہانوں کی حکومت مجھے دے دی جائے اور مجھ

---

[6] بحارالانوار، جلد13، صفحہ 412

سے کہا جائے کہ ایک چیونٹی کے منہ سے گھاس کا ایک تنکہ چھین لوں تو علی ہر گز ایسا نہیں کرے گا۔"[7]

9۔ منزل یقین پر فائز

یقین کے مختلف مراحل ہیں۔ کبھی انسان علم و استدلال کے ذریعہ خدا کے وجود کا یقین حاصل کرتا ہے اور اس بات کو درک کرتا ہے اس کائنات کے پیچھے ایک دانا و توانا ذات ہے جو اسے چلا رہی ہے۔ اسے "علم الیقین" کہتے ہیں۔ کبھی انسان علم کے مرحلہ سے آگے نکل کر مشاہدہ کی منزل میں آتا ہے اور "چشم دل" سے حقیقت کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے اور خدا کی صفات کو دیکھتا ہے۔ جس کے بارے میں مولائے کائنات نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: جب مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ اے علی کیا آپ نے اس خدا کو دیکھا ہے جس کی عبادت کرتے ہیں تو علی جواب دیتے ہیں: "میں خدا کو دیکھے بغیر اس کی عبادت کیسے کر سکتا ہوں لیکن خدا کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ باطن کی آنکھ خدا کے نور وجود کا مشاہدہ کرتی ہے اور حقیقت ایمانی کے ذریعہ اسے دیکھا جا سکتا ہے" یہ وہ منزل ہے جسے "عین الیقین" کہا جاتا ہے۔ اس خطبہ میں یقین کی اسی منزل کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس یقین کا ایک اثر یہ ہوتا ہے انسان ہمیشہ خود کو خدا کے سامنے حاضر پاتا ہے اور خدا کو ہر لمحہ اپنے اعمال پر ناظر سمجھتا ہے اسی لئے گناہ سے آلودہ نہیں ہوتا۔ لیکن ایک منزل وہ بھی ہے جہاں انسان خود کو بھی بھول جاتا ہے اور کائنات میں صرف نور خدا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے منزل "حق الیقین" کہا جاتا ہے اور یہ صرف خاصان خدا کے لئے ہے یہی وہ منزل ہے جس

---

[7] نہج البلاغہ، خطبہ 224

کے بعد یقین کی اور کوئی منزل نہیں ہے۔یہی وہ منزل ہے جس کے بارے میں امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں: " اگرمیری آنکھوں سے ساتوں پردے ہٹا بھی دئے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔"

10۔ قلب ودل محزون

ان کے دل حزن واندوہ سے بھرے ہوتے ہیں۔البتہ یہ ایک خاص قسم کا حزن واندوہ ہے جو عارفان خدا کے لئے ضروری ہے جس کے بارے میں امام صادقؑ فرماتے ہیں: "اگر یہ حزن عارف کے دل سے نکل جائے تو وہ خدا سے دعا کرتا ہے کہ اس حزن کو لوٹا دے۔"[8] یہ حزن ایک طرح کی فکر مندی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے کسی کا حق تلف ہوگیا ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی ذمہ داری کو انجام دینے میں اس سے کوتاہی ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یاد خدا سے غافل ہو جائے۔ ورنہ مومن غم دنیا سے مبرا ہوتا ہے کیونکہ دنیا کا عاشق نہیں ہوتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: "أَلاَ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ "[9] اولیائے خدا وہ ہیں جو کبھی خوفزدہ نہیں ہوتے اور کبھی حزن وملال نہیں رکھتے۔یعنی دنیا کے خوف وحزن کو ان کے دل میں راہ نہیں۔

---

[8] بحارالانوار، جلد69، صفحہ 70

[9] سورہ یونس/62

11۔ دوسرے ان سے امان میں رہتے ہیں

یعنی ان کا وجود سب کے لئے خیر و برکت اور آرام و آسائش کا باعث ہوتا ہے۔ پیغمبر اکرم(ص) فرماتے ہیں: "قیامت کے دن خدا کے یہاں سب سے برا ٹھکانہ اس کا ہوگا جس کے شر سے لوگوں کو تکلیف پہنچی ہوگی"[10]

12۔ دبلے پتلے ہوتے ہیں

دبلے پتلے ہونے کی وجہ عبادت کی کثرت اور زیادہ روزے رکھنا بھی ہو سکتی ہے اور اس سے مراد پھرتیلا ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی قطعی علامت نہیں ہے مومن اور پرہیز گار وہی ہے جو دبلا پتلا ہو یا بقولے جس کا پیٹ اس کی پیٹھ کے ساتھ لگا ہو۔ کیونکہ ہر انسان کی جسمانی ساخت مختلف ہوتی ہے۔ خود امام علی علیہ السلام کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ بھاری بھر کم جسم کے مالک تھے۔ اور اگر اسی کو معیار بنالیا جائے تو پھر بازار میں چلتا پھرتا کوئی دبلا پتلا انسان نظر آئے گا تو ہم اسے پرہیز گار سمجھ بیٹھیں گے چاہے وہ بے دین ہی کیوں نہ ہو۔

13۔ قلیل حاجتوں والا

یعنی مال دنیا سے وہ اتنا ہی لیتا ہے جتنا اس کی زندگی کی ضرورت ہو۔ نہ مالداروں کی طرح ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور نہ ہی نت نئے ضرورتیں پیدا کر کے انہیں پورا کرنے کے لئے دنیا کے پیچھے دوڑتا ہے۔ قناعت پسند ہے اور کم پر اکتفا کرتا ہے اسی لئے بہت سے گناہوں

---

[10] کنزالعمال، جلد 3، صفحہ 502، حدیث نمبر 7613

سے دور رہتا ہے۔آج کی دنیا کا ایک المیہ یہ ہے میڈیا کے ذریعہ مارکٹ میں آنے والی ہر نئے چیز کو انسان کی زندگی کی ضرورت بتایا جاتا ہے اور اتنا زیادہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے انسان اس چیز کے بغیر اپنی زندگی ادھوری سمجھتا ہے جبکہ یہ ایک جھوٹی ضرورت ہوتی ہے۔انسان ایک معمولی موبائل کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے لیکن جب تک اس کے پاس فلاں کمپنی کا فلاں ماڈل کا موبائل نہ ہو اسے لگتا ہے اس کے پاس کسی چیز کی کمی ہے۔اسی لئے آج کا انسان انہی مادی وسائل کو فراہم کرنے میں پھنس کر رہ گیا ہے اور نتیجہ میں مقصد سے دور ہو گیا ہے لیکن صاحب تقوا مال دنیا سے اپنا دامن چھڑا کر مقصد کی جانب گامزن رہتا ہے۔

14۔عفت و پاکیزگی

مومن کے یہاں قلب و روح کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔اس کا دل بھی پاک ہے، نفس بھی آلودگیوں سے دور ہے، فکر بھی پاک ہے، شکم بھی پاک ہے،مال بھی پاک ہے اور عفت و پاکیزگی اس کی پوری زندگی پر حاکم ہے اسی لئے وہ انسان ہوتے ہوئے ملائکہ کی صف میں نظر آتا ہے۔یہی شخص در حقیقت مجاہد ہے اور اسی کو تاج شہادت زیب دیتا ہے۔امام علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: "خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور شہید ہونے والے کا اجر اس شخص سے زیادہ نہیں ہے جو گناہ اور حرام پر قادر ہے لیکن اس کے بعد بھی عفت کو محفوظ رکھتا ہے اور ایسا انسان خدا کے نزدیک فرشتہ بھی ہو سکتا ہے۔"[11] شاید اس

---

[11] نہج البلاغہ،کلمات قصار/474

کی ایک وجہ یہ ہو کہ میدان جنگ میں جہاد اور شہادت کو "جہاد اصغر" جبکہ خواہشات نفس کے میدان میں جہاد کو "جہاد اکبر" کا نام دیا گیا ہے۔

15۔ مصیبت دنیا پر صبر

پرہیز گار انسان کی ایک صفت صبر واستقامت ہے اور اس کے بغیر انسان کمال کی راہ طے نہیں کر سکتا۔ خدا کی اطاعت کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر اور شیطانی وسوسوں کے مقابلہ استقامت۔ اس کے بغیر تو ایمان بھی ایمان نہیں اسی لئے صبر اور ایمان میں وہی نسبت ہی جو سر اور بدن میں ہے۔ نہ بدن بغیر سر کے بدن ہے اور نہ ہی ایمان بغیر صبر کے ایمان۔ قرآن کریم کے مطابق جب مومنین جنت کی طرف جائیں گے تو فرشتے در جنت پہ کھڑے انہیں اس طرح سلام کریں گے: "سَلامٌ عَلَيْكُمْ بِما صَبَرْتُمْ "[12] سلام ہو آپ پر آپکے صبر واستقامت کی وجہ سے۔ کتنا بہترین سودا ہے کہ دنیا میں ایک قلیل مدت کے لئے صبر کیا اور بدلے میں جنت کے مالک بن گئے۔

16۔ دنیا کے ذریعہ آزمائش

یہ بھی مومن کی ایک آزمائش ہے کہ دنیا مختلف شکلوں اور رنگوں میں اس کے سامنے آتی ہے تا کہ اسے آزمائے اور فریب دے کر اپنے دام میں گرفتار کر لے۔ کچھ لوگ دنیا کی ذرا سی توجہ پا کر اتنا بھوکھلا جاتے ہیں کہ تھوڑی سی دنیا کے لئے بڑے سے بڑے گناہ انجام دینے سے نہیں ہچکچاتے۔ کرسی اور اقتدار مل گیا تو اسے بچانے کے لئے بے گناہ انسانوں کی زندگی داؤں پر لگا دیتے ہیں۔ اور بعض تو اتنے پست ہوتے ہیں کہ دنیا کے لئے اپنی کرامت

---

[12] سورہ رعد/24

انسانی کو بھی پائمال کر دیتے ہیں لیکن جو صاحبان تقوا ہیں "ھیھات منا الذلۃ" کا نعرہ لگا کر یہ واضح کر دیتے ہیں کہ سر تو تن سے جدا ہو سکتا ہے لیکن دنیا کی پستی کے آگے جھک نہیں سکتا۔

أَمَّا اللَّيْلُ فَصَافُّونَ أَقْدَامَهُمْ، تَالِينَ لِاَجْزَاءِ الْقُرْآنِ يُرَتِّلُونَهَا تَرْتِيلاً. يُحَزِّنُونَ بِهِ أَنْفُسَهُمْ وَ يَسْتَثِيرُونَ بِهِ دَوَاءَ دَائِهِمْ. فَإِذَا مَرُّوا بِآيَةٍ فِيهَا تَشْوِيقٌ رَكَنُوا إِلَيْهَا طَمَعاً، وَ تَطَلَّعَتْ نُفُوسُهُمْ إِلَيْهَا شَوْقاً، وَ ظَنُّوا أَنَّهَا نُصْبَ أَعْيُنِهِمْ. وَ إِذَا مَرُّوا بِآيَةٍ فِيهَا تَخْوِيفٌ أَصْغَوْا إِلَيْهَا مَسَامِعَ قُلُوبِهِمْ، وَ ظَنُّوا أَنَّ زَفِيرَ جَهَنَّمَ وَ شَهِيقَهَا فِي أُصُولِ آذَانِهِمْ، فَهُمْ حَانُونَ عَلَى أَوْسَاطِهِمْ، مُفْتَرِشُونَ لِجِبَاهِهِمْ وَ أَكُفِّهِمْ وَ رُكَبِهِمْ، وَ أَطْرَافِ أَقْدَامِهِمْ، يَطْلُبُونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فِي فَكَاكِ رِقَابِهِمْ.
رات ہوتی ہے تو اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر ترتیل کے ساتھ آیات قرآنی کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے ذریعہ اپنے نفسوں کو مغموم و محزون اور اپنے امراض کی چارہ جوئی کرتے ہیں۔ جب کسی ایسی آیت سے گزرتے ہیں جس میں ترغیب پائی جاتی ہے تو طمع میں اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، شدت شوق سے ان کے نفوس کھل اٹھتے ہیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ مناظر ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے ہیں جس میں ڈرایا گیا ہو تو اس کی طرف اپنے دلوں کی سماعت کو مرکوز کر دیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ جہنم کے شعلوں کی آواز ان کے کانوں کے اندر پہنچ رہی ہے۔ وہ خود کو حالت رکوع میں جھکائے ہوئے اور اپنی پیشانیوں، ہتھیلیوں اور پیروں کو خاک زمین پر بچھا ئے ہوئے ہیں او جہنم سے اپنی آزادی کی لئے اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔

متقین کی راتیں

یہاں امام علیہ السلام صاحبان تقوا کی راتوں کا شڈول بیان کر رہے ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہیے:

1۔عبادت و نماز اور تلاوت قرآن

ان کی راتوں کا پہلا کام یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں وہ بھی پوری توجہ اور تمرکز کے ساتھ۔خود امام علیؑ کے لئے ملتا ہے کہ بعض راتوں میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں لیکن ٹھہر ٹھہر کر۔اور صرف تلاوت نہیں کرتے بلکہ آیات خدا میں تدبر کرتے ہیں۔یعنی وہ خود کو قرآن کا مخاطب قرار دیتے ہیں اور اس طرح قرآن پڑھتے ہیں گویا قرآن ابھی ان پر نازل ہو رہا ہو۔علامہ اقبال کے بارے میں ملتا ہے کہ ایک بار وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ان کے والد کا گزر ہوا تو پوچھا: کیا کر رہے ہو؟جواب دیا: قرآن پڑھ رہا ہوں۔والد نے کہا: جب پڑھ لینا تو میرے پاس آنا۔تلاوت قرآن سے فارغ ہو کر جب اقبال اپنے والد کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: ایسے قرآن پڑھا کرو جیسے یہ تم پر نازل ہو رہا ہو اور تم سے مخاطب ہو۔مومن جب غور و فکر کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے تو اس کے قلب و روح پر اس کا فوری اثر بھی ہوتا ہے۔امامؑ اس اثر کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب وہ بشارت کی آیتوں کو پڑھتے ہیں تو ان کے دل مسرور ہوتے ہیں کیونکہ وہ جنت کے تمام مناظر گویا اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن جب آیات انذار کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کے جسم کانپ جاتے ہیں کیونکہ جہنم کے شعلوں کی آواز اپنے کانوں سے انہیں سنائی دیتی ہے۔وہ اپنے ہر درد کی دوا قرآن سے تلاش کرتے ہیں اور ہر

مرض کا علاج قرآن سے حاصل کرتے ہیں۔ قرآن صرف ان کے گھروں کی برکت نہیں ہوتا بلکہ ان کی روح میں دوڑ کر اعضاء و جوارح میں سرایت کرتا ہے اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ خدا کے سامنے جھکتے ہیں۔ خود کو اس کے سامنے بچھا دیتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں لیکن یہ جھکنا اور بچھانا یوں ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کے علاوہ تمام چیزوں کی قید اور زنجیروں سے رہائی ملے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی عبادت وہی ہے جو انسان کو تمام بندگیوں سے آزاد کر کے خدا کا بندہ بنائے۔ ورنہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو خود کو خادمین حرمین شریفین کہتے ہیں لیکن ان کی گردن خدا کے بجائے وائٹ ہاوس کی طرف جھکی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو ذلت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

امام علیؑ کے یہ جملے جو آپ نے خطبہ کے اس حصہ میں ارشاد فرمائے ہیں قرآن مجید کی ان آیات سے اقتباس ہیں جن میں خدا فرماتا ہے: "وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً * وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً"[13] وہ لوگ جو سجدے اور اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے کہتے ہیں: پروردگارا! عذاب جہنم کو ہم سے دور رکھ کیونکہ یہ عذاب بہت ہی سخت عذاب ہے۔

وَ أَمَّا النَّهَارَ فَحُلَمَاءُ عُلَمَاءُ، أَبْرَارٌ أَتْقِيَاءُ. قَدْ بَرَاهُمُ الْخَوْفُ بَرْيَ الْقِدَاحِ يَنْظُرُ إِلَيْهِمُ النَّاظِرُ فَيَحْسَبُهُمْ مَرْضَى، وَ مَا بِالْقَوْمِ مِنْ مَرَض; وَ يَقُولُ: لَقَدْ

[13] سورہ فرقان/64-65

خُولِطُوا !.
وَ لَقَدْ خَالَطَهُمْ أَمْرٌ عَظِيمٌ! لاَ يَرْضَوْنَ مِنْ أَعْمَالِهِمُ الْقَلِيلَ، وَ لاَ يَسْتَكْثِرُونَ الْكَثِيرَ. فَهُمْ لأَنْفُسِهِمْ مُتَّهِمُونَ، وَ مِنْ أَعْمَالِهِمْ مُشْفِقُونَ إِذَا زُكِّيَ أَحَدٌ مِنْهُمْ خَافَ مِمَّا يُقَالُ لَهُ، فَيَقُولُ: أَنَا أَعْلَمُ بِنَفْسِي مِنْ غَيْرِي، وَ رَبِّي أَعْلَمُ بِي مِنِّي بِنَفْسِي! اللَّهُمَّ لاَ تُؤَاخِذْنِي بِما يَقُولُونَ، وَ اجْعَلْنِي أَفْضَلَ مِمَّا يَظُنُّونَ، وَاغْفِرْ لِي مَا لاَ يَعْلَمُونَ!
دن میں حلیم و بردبار، عالم، نیک اور متقی نظر آتے ہیں۔ خوف خدا نے انہیں تراشیدہ تیر کی طرح لاغر کر دیا ہے، دیکھنے والا انہیں مریض سمجھتا ہے جبکہ انہیں کوئی مرض لاحق نہیں ہوتا اور جب ان کی باتوں کو سنتا ہے تو کہتا ہے کہ وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں تو ایک دوسرا خطرہ لاحق ہے، وہ اپنے قلیل اعمال سے راضی و خوشنود نہیں ہوتے اور زیادہ کو زیادہ نہیں سمجھتے، وہ اپنے ہی نفس کو (کوتاہیوں) کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور اپنے اعمال سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک کی تعریف و تمجید کی جاتی ہے تو وہ اپنے حق میں کہی ہوئی باتوں کو سن کر کانپ جاتا ہے اور کہتا ہے: میں دوسروں سے زیادہ اپنے نفس سے باخبر ہوں اور میرا پروردگار مجھ سے بھی زیادہ میرے نفس سے آگاہ ہے، بارالہا! ان کی باتوں کے عوض میرا مواخذہ نہ کر، ان کے گمان سے زیادہ مجھے فضیلت عطا فرما اور میرے ان گناہوں کو بخش دے جو وہ نہیں جانتے۔

متقین کے دن

اس حصہ میں امام علیہ السلام نے متقین کے دن کا شیڈول بیان کیا ہے اور پانچ اہم صفات کو گنوایا ہے۔ان صفات میں اگر غور کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ امام کے مد نظر جو صاحبان تقوا ہیں وہ سوسائٹی اور معاشرے سے دور کسی کونے میں گوشہ نشینی اور تنہائی میں عبادت کرنے والے افراد نہیں ہیں بلکہ وہ افراد ہیں جو معاشرے کے درمیان رہ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو انجام دینے والے ہیں۔

1۔ حلم و بر باری

ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ معاشرے میں حلیم و بردبار بن کر رہتے ہیں۔یعنی دوسروں کے غلط اور نامناسب رویہ کے مقابلہ غضب کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ غصہ کو پی جانے والے ہیں اور جہاں تک ان سے سوءاستفادہ نہ کیا جائے صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

2۔ علم و دانش

ان کی ایک صفت یہ ہے کہ عالم و دانا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے باب مدینۃ العلم اور امام المتقین کی نظر میں ایک جاہل اور نادان انسان صاحب تقوا کیسے ہو سکتا ہے۔البتہ علم کا مطلب ہر گز کتابوں کا پڑھنا، مدرسہ میں ایک مدت گزارنا اور کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا نہیں ہے بلکہ اصل علم وہ معرفت و دانائی ہے جو سرچشمہ دل سے پھوٹتی ہے۔ کیونکہ ہر زمانہ میں ایسے بہت سے صاحبان جبہ و دستار ہوتے ہیں جو لباس علما سے تو آراستہ ہوتے ہیں لیکن حقیقی علم سے ان کا دل و دماغ خالی ہوتا ہے۔

3۔خوف خدا سے لاغر و کمزور

خدا کا خوف انہیں اسقدر ہوتا ہے کہ ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں کے تئیں حساس ہوتے ہیں اور ان کی انجام دہی کے سعی و کوشش کرتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لاغر و کمزور نظر آتے ہیں۔اور دیکھنے والا یہ کہتا ہے کہ یہ سادہ اور لاغر انسان کس طرح معاشرہ کی باگ ڈور سنبھال سکتا ہے۔اس کے لئے تو کسی بھاری بھرکم شخصیت کی ضرورت ہے۔انبیائے کرام کو ہمیشہ یہی کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ معاشرہ کی گاڑی نہیں چلا سکتے کیونکہ ان کی سوچ اور کام کرنے کا طریقہ دوسروں سے بالکل الگ ہے۔آج بھی سیکولر فکر کے لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ سیاست و حکومت اور معاشرے کی باگ ڈور سنبھالنا علما کے بس کی باتیں نہیں ہے۔ بھلا مسجد کے مولوی کو سیاست سے کیا مطلب؟لیکن امام خمینی کی قیادت میں ایران کے اسلامی انقلاب اور ولایت فقیہ کے کامیاب تجربہ نے سب کے لئے یہ ثابت کر دیا کہ سیاست و حکومت کا اصل حقدار ایک عادل فقیہ ہی ہو سکتا ہے۔

4۔اپنے کام کو چھوٹا سمجھتے ہیں

صاحبان تقوا کبھی بھی اپنے کام کو زیادہ یا بڑا نہیں سمجھتے۔وہ چاہے بڑے سے بڑا کام کریں اور معاشرے میں انقلاب برپا کر دیں کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ انھوں نے بہت بڑا کام کر دیا کیونکہ انہیں ہمیشہ فکر ہوتی ہے کہ انہوں نے جو کام کیا ہے نہیں معلوم وہ مرضی معبود کے مطابق ہے بھی یا نہیں۔امام خمینیؒ نے اپنی رحلت سے پہلے ملت ایران کے نام جو وصیت لکھی اس میں ان سے معذرت خواہی کرتے ہوئے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ وہ ملت کے لئے

کچھ نہیں کر سکے اس لئے وہ اس ادنی خادم کو معاف کر دیں۔ یقیناً یہ ہر ایک کے بس میں نہیں بلکہ عظیم روح کے مالک افراد ہی ایسے کر سکتے ہیں۔

اور جب کوئی بڑا کام کرتے بھی ہیں تو یہ نہیں کہتے ہم نے یہ کام کیا بلکہ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ خدا کے دست قدرت نے یہ کام انجام دیا ہے ہم تو صرف ایک وسیلہ ہیں ۔جب خرمشہر ایک طاقت فرسا جنگ کے بعد بعثیوں کے چنگل سے آزاد ہو گیا تو مجاہدین اسلام نے عظیم جشن منایا اس خوشی میں کہ انہوں نے خرمشہر جیسے اہم شہر کو آزاد کرا لیا لیکن امام خمینیؒ نے فرمایا:"خرمشهر را خدا آزاد کرد"تم یہ نہ سمجھو کہ یہ تمہارا کام تھا بلکہ یہ خدا کا دست قدرت تھا جس نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔

لیکن اس کے مقابل جو پست ہمت افراد ہوتے ہیں وہ اپنے تھوڑے سے کام کو بھی زیادہ سمجھتے ہیں اور کوئی ایک چھوٹا سا کام بھی انجام دے دیں تو پورے ملک میں اس کا ڈھنڈھورا پیٹتے ہیں۔

انبیائے کرام اور ائمہ معصومین کی زندگی کو دیکھا جائے تو خدا کی نعمتوں کے مقابل اپنے کاموں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔امام سجاد علیہ السلام ایک دعا میں خدا سے عرض کرتے ہیں: "وَ ما قَدْرُ أعْمالِنا فی جَنْبِ نِعَمِكَ وَ كَيْفَ نَسْتَكْثِرُ أعْمالا نُقابِلُ بِها كَرَمَكَ" [14]خدایا! تیری نعمتوں کے مقابل ہمارے اعمال کی حیثیت ہی کیا ہے اور ہم کس طرح تیرے کرم کے مقابل اپنے اعمال کو زیادہ شمار کر سکتے ہیں؟

---

[14]دعائے ابوحمزہ ثمالی

5۔ کسی کی تعریف پر خوش نہیں ہوتے

بہت سے لوگ ان کے کاموں کو دیکھ کر ان کی تعریف و تمجید کرتے ہیں لیکن وہ اپنی تعریف سن کر خوش نہیں ہوتے بلکہ کانپنے لگتے ہیں۔اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ دوسروں کی تعریف انسان کے نفس میں منفی اثر ڈال سکتی ہے اور انسان اپنی تعریف سن کر حقیقت میں یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس نے بہت کچھ کیا ہے یا اس نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ یہی چیز اس کے غرور و تکبر کا باعث بن سکتی ہے اور اس کے تمام کاموں پر پانی پھیر سکتی ہے۔ بہت سے لوگوں کی تباہی کا سبب یہی ایک نکتہ ہے کہ وہ دوسروں کی چاپلوسی کے مقابل پھولے نہیں سماتے۔

اس لئے صاحب تقوا دوسروں کی تعریف کے مقابل پروردگار کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتا ہے اور عجز و ناتوانی کا اظہار کرتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں خدا اور اس کی نعمتوں کی عظمت ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے کام کو کچھ سمجھتا ہی نہیں کہ دوسروں کی تعریف پر خوش ہوا جائے۔

مختصر یہ کہ وہ عالم ہیں اور اپنے علم سے معاشرے کی ہدایت کرتے ہیں۔ حلیم ہیں اور جاہل و نادان افراد کی گستاخیوں کے مقابل حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

نیک اعمال انجام دینے والے ہیں اپنی توان و طاقت کے مطابق دوسروں کی خدمت کرتے ہیں۔

اپنی تمام معاشرتی ذمہ داریوں کو انجام دیتے ہیں لیکن کبھی اسے زیادہ نہیں سمجھتے بلکہ انہیں ہمیشہ یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں کوتاہی نہ رہ گئی ہو۔

فَمِنْ عَلاَمَةِ أَحَدِهِمْ أَنَّكَ تَرَى لَهُ قُوَّةً فِي دِين، وَ حَزْماً فِي لِين، وَ إِيماناً فِي يَقِين، وَ حِرْصاً فِي عِلْم، وَ عِلْماً فِي حِلْم، وَ قَصْداً في غِنىً، وَ خُشُوعاً فِي عِبَادَة، وَ تَجَمُّلاً فِي فَاقَة، وَ صَبْراً فِي شِدَّة، وَ طَلَباً فِي حَلاَل، وَ نَشَاطاً فِي هُدًى، وَ تَحَرُّجاً عَنْ طَمَع. يَعْمَلُ الأَعْمَالَ الصَّالِحَةَ وَ هُوَ عَلَى وَجَل. يُمْسِي وَ هَمُّهُ الشُّكْرُ، وَ يُصْبِحُ وَهَمُّهُ الذِّكْرُ. يَبِيتُ حَذِراً وَ يُصْبِحُ فَرِحاً; حَذِراً لَمَّا حُذِّرَ مِنَ الْغَفْلَةِ، وَ فَرِحاً بِمَا أَصَابَ مِنَ الْفَضْلِ وَ الرَّحْمَةِ. إِنِ اسْتَصْعَبَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ فِيما تَكْرَهُ لَمْ يُعْطِهَا سُؤْلَهَا فِيمَا تُحِبُّ. قُرَّةُ عَيْنِهِ فِيمَا لاَ يَزُولُ، وَ زَهَادَتُهُ فِيمَا لاَ يَبْقَى، يَمْزُجُ الْحِلْمَ بِالْعِلْمِ، وَ الْقَوْلَ بِالْعَمَلِ. تَرَاهُ قَرِيباً أَمَلُهُ، قَلِيلاً زَلَلُهُ، خَاشِعاً قَلْبُهُ، قَانِعَةً نَفْسُهُ، مَنْزُوراً أَكْلُهُ، سَهْلاً أَمْرُهُ، حَرِيزاً دِينُهُ، مَيِّتَةً شَهْوَتُهُ، مَكْظُوماً غَيْظُهُ.
ان میں سے ہر ایک کی علامت یہ ہے کہ تم اس کے دین میں استحکام، برتاؤ میں نرمی و خوش خلقی ،ایمان میں یقین ،علم میں حرص وطمع، حلم میں علم ،خوشحالی میں میانہ روی ،عبادت میں خشوع،فاقہ میں خوب صورتی وآراستگی ،مصیبت میں صبر ،طلب رزق میں حلال پر نظر،ہدایت میں نشاط و سرور اور طمع سے پرہیز دیکھوگے۔وہ نیک اعمال بجالاتاہے جبکہ اسے خوف لاحق رہتاہے،شام ہوتی ہے تواس کا ہم و غم شکر اور صبح ہوتی ہے تواس کاہدف و مقصد ذکر خدا ہوتاہے۔

خوف خدا میں رات گذارتا ہے اور صبح کو کیف و سرور کی حالت میں بیدار ہوتا ہے۔ خوف اس کا کہ کہیں رات غفلت میں نہ گذر جائے اور سرور خدا کے اس فضل و رحمت کے سبب جو اس کے شامل حال ہوا ہے۔ اگر اس کا نفس ناگوار صورتحال میں اس کا کہانہ مانے تو وہ اسے اس کی من پسند چیز سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ جاودانی چیزوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک (کیف و سرور) کا احساس کرتا ہے اور وہ انہیں ترک کر دیتا ہے جن میں بقا نہ ہو۔ وہ اپنے حلم میں علم اور قول میں عمل کو رچا بسا لیتا ہے۔ تم اس کی آرزؤں اور امیدوں کو کم، لغزشوں کو قلیل، قلب کو خاشع، نفس کو قانع، غذا کو مختصر، روش و رویہ کو آسان، دین کو محفوظ، نفسانی خواہشات کو مردہ، اور غصہ کو ٹھنڈا پاؤ گے۔

متقین کی علامتیں

یہاں سے مولا اہل تقوا کی بعض دیگر اہم صفات کو بیان کر رہے ہیں جنہیں ہم اجمالی طور پر ذکر کریں گے۔

1۔ مستحکم ایمان کا مالک

مومن مستحکم ایمان کا مالک ہوتا ہے۔ دشمنان اسلام کی مخالفانہ اور معاندانہ باتوں سے اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی اور مختلف طرح کی اعتقادی و غیر اعتقادی شبہات و اعتراضات سے اس کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔

2۔نرم خو

جہاں اہل تقوا کا ایمان مستحکم ہوتا ہے وہیں معاشرتی تعلقات میں بھی نرم خو ہوتے ہیں۔دوسروں کے ساتھ تمام معاملات میں نرم کردار کے مالک ہوتے ہیں۔جہاں ایک طرف ایمان میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتے ہیں وہیں دوسری طرح تعلقات میں نرم دل ہوتے ہیں۔دشمنان دین کے سامنے آہنی دیوار اور برادران ایمان کے سامنے ریشم سے بھی نرم ہوتے ہیں۔

محراب عبادت بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

3۔اہل یقین

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا ایمان کے مختلف درجات ہیں جس میں ایک مرحلہ یقین کا مرحلہ ہے اور مومن کے لئے کم از کم اس مرحلہ تک پہنچنا ضروری ہے۔امام صادقؑ فرماتے ہیں: "ایمان اسلام سے برتر ہے اور یقین ایمان کا اعلیٰ درجہ کا مرحلہ اور یقین ایک کمیاب چیز ہے۔"

4۔علم کے حریص

حرص اگرچہ ایک بری صفت مانی جاتی ہے لیکن بعض چیزوں کی حرص نہ صرف مذموم نہیں بلکہ ممدوح بھی ہے۔دنیاداروں کو مال اندوزی کی حرص ہوتی ہے لیکن پرہیزگار انسان علم کا حریص ہوتا ہے۔اس کا کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب وہ اپنے علم و معرفت میں

اضافہ نہ کرے اور ایک قدم آگے نہ بڑھے۔اور ایسا کیوں نہ ہو کہ مومن کا ہر دن گزشتہ دن سے بہتر ہونا چاہیے۔

5۔صاحبان حلم

حلم علم کا ساتھی ہے۔جہاں حلم نظر نہ آئے سمجھو وہاں علم دل میں اثر انداز نہیں ہوا ہے۔اگر عالم اپنا علم دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے تو اسے حلم و بردباری سے اہل جہل کے اندر نفوذ پیدا کرنا ہوگا تاکہ انہیں جہل و تاریکی سے باہر لا سکے۔رسول کریم (ص)اور اہلبیتؑ کی دلوں پر حکومت کا راز یہی تھا کہ وہ حلیم و بردبار تھے۔ایک شامی نے امام حسنؑ کی شان میں گستاخی کی تو آپ نے حلم کا مظاہرہ کر کے اسے اپنا گرویدا بنالیا۔ایک عیسائی شخص نے امام باقرؑ کو برا بھلا کہا تو امام نے اپنے حلم کے ذریعہ اسے مسلمان بنالیا۔مالک اشتر کے ساتھ ایک شخص نے گستاخی کی تو انہوں نے غصہ کے بجائے حلم کا مظاہرہ کیا اور اس کی مغفرت کے لئے دعا بھی کی۔اہل تقوا کی یہی خاصیت ہے۔

6۔ثروتمندی میں اعتدال

اہل تقویٰ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اگر ان کے پاس مال دنیا بھی آجائے اور وہ ثروتمند بھی ہو جائیں تو بھی فضول خرچی نہیں کرتے اور ضرورت سے زیادہ استعمال نہیں کرتے۔اتنا ہی استعمال کرتے ہیں جتنا ان کی ضرورت ہوتی ہے اور باقی راہ خدا میں لٹا دیتے ہیں اور ضرورتمندوں میں انفاق کرتے ہیں۔ائمہ معصومین کے پاس مال دنیا کی کمی نہیں تھی لیکن وہ ایک عام انسان جیسی زندگی بسر کیا کرتے تھے اور اپنا سارا مال ضرورتمندوں میں تقسیم کرتے تھے۔

7۔عبادت میں خشوع

اہل تقوا کی عبادت بھی عام انسانوں جیسی نہیں ہوتی۔عام انسانوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ساری بھولی ہوئی چیزیں یاد آجاتی ہیں لیکن اہل تقوا جب خدا کے حضور جاتے ہیں تو وہ سب کچھ بھول کر خدا کو یاد کرتے ہیں اور اتنے محو ہو جاتے ہیں کہ اگر پیروں سے تیر بھی نکال لیا جائے تو احساس نہیں ہوتا۔قرآن کریم ان کی اس صفت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاَتِهِمْ خَاشِعُونَ" [15] یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں خاشع ہوتے ہیں۔

8۔فقیری میں بھی حُسن ظاہر کا خیال

صاحبان تقواامیری میں بھی اسراف و تبذیر سے پرہیز کرتے ہیں اور فقیری میں بھی کوئی گلہ و شکوہ نہیں کرتے بلکہ اس حال پر بھی شکر خدا بجالاتے ہیں۔اور اپنے ظاہر کااس طرح خیال رکھتے ہیں کہ ان کی خودی اور کرامت نفس پر کوئی ٹھیس نہ آئے۔یہ لوگ نہ کسی کے سامنے اپنی غربت کا رونا روتے ہیں اور نہ کسی کے سامنے دست درازی کرتے ہیں اسی لئے بعض دیکھنے والے انہیں صاحب ثروت سمجھتے ہیں۔قرآن مجید نے بھی ایک آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے: " يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" صاحبان تقوااس طرح اپنے حُسن ظاہر اور پاکیزگی کا خیال رکھتے ہیں کہ بعض نادان انہیں ثروتمند سمجھتے ہیں۔

---

[15] سورہ مومنون/2

9۔ مصیبتوں پر صبر

کمزور ایمان افراد ذرا سی مصیبت پر داد و فریاد کرتے ہیں اور حالات کی سختی ذرا بڑھ جائے تو خدا کو نشانہ بنانے لگتے ہیں کہ ہم ہی ملے تھے پورے شہر میں کہ ساری مصیبتیں ہم پر انڈیل دیں۔ جبکہ صاحب تقوا لب پہ حرف شکایت نہیں لاتا بلکہ مصیبتوں کو بھی تحفہ پروردگار سمجھتا ہے اور اس آیہ کریمہ کا مصداق نظر آتا ہے: " إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم خدا کے لئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کے جانے والے ہیں۔

10۔ حلال رزق

مومن ہر مال اور ہر لقمہ کی طرف نہیں بھاگتا بلکہ کسب حلال کی تلاش میں رہتا ہے۔ لیکن دنیا پرست لوگوں کو صرف کسب معاش کی فکر ہوتی ہے وہ چاہے کیسا بھی ہو اور کسی راستے سے بھی ہو۔ اسی لئے مومن کی زندگی میں کم کے باوجود برکت ہوتی ہے لیکن دنیا پرست سب کچھ ہونے کے باوجود دولت چین و سکون سے محروم ہوتے ہیں اور برکت تو ان کا گھر کا دروازہ بھی نہیں دیکھتی۔

11۔ ہدایت کے راستے میں پر نشاط

وہ راہ مستقیم پر چلتے ہیں اور کبھی تھکتے نہیں ہیں بلکہ سبیل ہدایت پر چلتے ہوئے ہمیشہ پر نشاط و شاداب رہتے ہیں۔

12۔ طمع سے دوری

ان کے یہاں اس بری صفت کا گزر نہیں کیونکہ اس بیماری کی جڑ "دنیا کی محبت" ہے جس سے انہوں نے خود کو بچا کے رکھا ہے۔

13۔ خوف ورجا

مومن راتوں کو خوف کی حالت میں ہوتا ہے کہ کہیں غفلت کی نیند سو نہ جائے لیکن صبح امیدوار ہو کر اٹھتا ہے کہ خدا کا فضل و کرم ضرور شامل حال ہوگا۔ مسلسل نیک عمل انجام دیتا ہے لیکن اس خوف کے ساتھ کہ نہیں معلوم بارگاہ ایزدی میں قبول کیا جائے گا یا نہیں لیکن دوسری طرف امید کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا کہ خدا تو غفور و رحیم ہے کوتاہیوں کو بخش دے گا۔

14۔ سرکش نفس کو لگام

اگر کبھی نفس سرکش ہو جائے اور اس کی مہار ہاتھ سے چھوٹ جائے اور وہ غفلت کا شکار ہو تو اسے رام کرنے کے لئے سزا دیتا ہے اور سزا کے طور پر کسی ایسے کام کا انتخاب کرتا ہے جس کا نفس مخالف ہو۔ شہید رجائی کے بارے میں ملتا ہے کہ اگر کبھی کسی وجہ سے اول وقت نماز ان سے چھوٹ جاتی تھی تو وہ اس کی تلافی کے لئے اگلے دن روزہ رکھتے تھے۔

اَلْخَيرُ مِنْهُ مَأمُولٌ، وَ الشَّرُّ مِنْهُ مَأمُونٌ، إنْ كَانَ فِي الْغَافِلِينَ كُتِبَ فِي الذَّاكِرِينَ، وَ إنْ كانَ في الذَّاكِرِينَ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِينَ.
يَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَهُ، وَ يُعْطِي مَنْ حَرَمَهُ، وَ يَصِلُ مَنْ قَطَعَهُ، بَعِيداً فُحْشُهُ، لَيِّناً قَوْلُهُ، غَائِباً مُنْكَرُهُ، حَاضِراً مَعْرُوفُهُ، مُقْبِلاً خَيْرُهُ، مُدْبِراً شَرُّهُ. فِي الزَّلاَزِلِ وَ

قُورٌ، وَ فِي الْمَكَارِهِ صَبُورٌ، وَ فِي الرَّخَاءِ شَكُورٌ. لاَ يَحِيفُ عَلَى مَنْ يُبْغِضُ، وَ لاَ يَأْثَمُ فِيمَنْ يُحِبُّ. يَعْتَرِفُ بِالْحَقِّ قَبْلَ أَنْ يُشْهَدَ عَلَيْهِ، لاَ يُضِيعُ مَا اسْتُحْفِظَ، وَ لاَ يَنْسَى مَا ذُكِّرَ، وَ لاَ يُنَابِزُ بِالأَلْقَابِ، وَ لاَ يُضَارُّ بِالْجَارِ، وَ لاَ يَشْمَتُ بِالْمَصَائِبِ، وَ لاَ يَدْخُلُ فِي الْبَاطِلِ، وَ لاَ يَخْرُجُ مِنَ الْحَقِّ. إِنْ صَمَتَ لَمْ يَغُمَّهُ صَمْتُهُ، وَ إِنْ ضَحِكَ لَمْ يَعْلُ صَوْتُهُ، وَ إِنْ بُغِيَ عَلَيْهِ صَبَرَ حَتَّى يَكُونَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِي يَنْتَقِمُ لَهُ. نَفْسُهُ مِنْهُ فِي عَنَاء. وَ النَّاسُ مِنْهُ فِي رَاحَة. أَتْعَبَ نَفْسَهُ لِاٰخِرَتِهِ، وَ أَرَاحَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ. بُعْدُهُ عَمَّنْ تَبَاعَدَ عَنْهُ زُهْدٌ وَ نَزَاهَةٌ، وَ دُنُوُّهُ مِمَّنْ دَنَا مِنْهُ لِينٌ وَ رَحْمَةٌ. لَيْسَ تَبَاعُدُهُ بِكِبْر وَ عَظَمَة، وَلاَ دُنُوُّهُ بِمَكْر وَ خَدِيعَة.
اس سے صرف بھلائی اور نیکی کی امید ہوتی ہے اور شر اس سے دور ہوتا ہے۔اگر خدا سے غفلت کرنے والوں میں ہوتا ہے تب بھی اس کا نام خدا کو یاد کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے اور اگر خدا کو یاد کرنے والوں میں سے ہوتا ہے تو غفلت کرنے والوں میں اس کا نام نہیں لکھا جاتا، جو اس پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے جو اسے محروم کرتا ہے اسے اپنی عطا سے نوازتا ہے اور جو اس سے نہیں بولتا اس سے وصلت اختیار کرتا ہے۔ وہ بیہودہ باتوں سے دور اور نرم گفتار ہوتا ہے۔اس کی برائیاں ناپید اور اچھائیاں آشکار ہوتی ہیں۔اس کی نیکی ابھر کر سامنے آتی ہے اور برائی اس سے دور ہوتی ہے۔وہ مصیبتوں کے جھٹکوں میں متین و باوقار، سختیوں میں صابر، عیش و آسائش میں شاکر نظر آتا ہے۔ جس کا دشمن ہو

اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا اور جس کو چاہتا ہے اس کے لئے اپنے دامن کو گناہ سے آلودہ نہیں کرتا۔ اپنے بر خلاف کسی کی گواہی سے پہلے ہی وہ حقیقت کا اعتراف کر لیتا ہے۔ جو شئے اس کے سپرد کی گئی ہے اسے ضائع نہیں کرتا اور جو چیز اسے یاد دلائی گئی ہو اسے فراموش نہیں کرتا، لوگوں کو برے القاب سے نہیں پکارتا اور پڑوسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، دوسروں کی مصیبتوں میں مسرور نہیں ہوتا، ناروا اور باطل کاموں میں شریک نہیں ہوتا اور حق سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ اگر خاموش ہو تو اس کا سکوت اسے مغموم نہیں کرتا، اور اگر ہنستا ہے تو اس کی آواز قہقہہ میں تبدیل نہیں ہوتی، اگر اس پر ظلم و ستم ہوتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ خدا اس کا انتقام لے لے، اس کی وجہ سے اس کا نفس ہمیشہ تھکن میں رہتا ہے جبکہ لوگ اس کی وجہ سے راحت اور سکون کا احساس کرتے ہیں، اس نے اپنی آخرت کی خاطر اپنے نفس کو زحمت اور مشقّت میں ڈالا ہے اور اس کے نفس سے لوگوں کو سکون حاصل ہوا۔ وہ اگر کسی سے دوری اختیار کرتا ہے تو یہ زہد اور پاکیزگی کی وجہ سے ہے اور اگر کسی سے قریب ہوتا ہے تو یہ اس کی نرم دلی، شفقت اور محبّت کی بناء پر ہے، نہ اس کی دوری کا سبب نخوت و تکبّر ہے، نہ اس کے قرب کی وجہ مکر و فریب ہے۔

بعض دیگر صفات

خطبہ کے اس حصہ میں امام متقین کی بعض دیگر اہم صفات کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں سے بعض اہم صفات کو ہم اجمال کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

1۔ لوگوں کے لئے پناہ گاہ

رسول اسلام مسلمان کی خصوصیات کو گنواتے ہوئے فرماتے ہیں: "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ مومن کو مومن کیوں کہا جاتا ہے؟ کیونکہ لوگوں کی جان و مال اس سے امان میں ہے۔ کیا تمہیں خبر دوں تم میں سے مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ امان میں ہوں۔"

یہ ایک عام مسلمان کی خاصیت ہے پھر جو باتقوا اور پرہیزگار مومن ہو اسے کیسا ہونا چاہیے؟ اسے یقینا لوگوں کیلئے امن وامان کا ملجا اور چین سکون کی پناہ گاہ ہونا چاہیے۔ وہ ایسا ہو جو لوگوں کیلئے خیر و برکت کا سبب ہو اور شر اس کے وجود سے دور ہو۔ مسلمان مغربی ممالک میں دہشتگرد تصور کیا جاتا ہے لیکن جب امام خمینیؒ پیرس کے ایک علاقہ نوفل لوشاٹو میں مقیم تھے تو وہاں کے عیسائی انہیں اپنا مسیحا سمجھتے تھے۔ یہی ایک مومن کی شان ہے۔

2۔ ہمہ وقت یاد خدا

فارسی کی ایک معروف مثل ہے: "خواهی نشوی رسوا هم رنگ جماعت شو" اگر معاشرے میں رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو لوگوں کے رنگ میں رنگ جاؤ لیکن یہ در حقیقت منافقت کی علامت ہے۔ مومن اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ خدا کے رنگ میں رہتا ہے کیونکہ اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں ہو سکتا۔ وہ جاہلوں کے درمیان بھی

عالم ہے، یاد خدا سے غافل افراد کے درمیان بھی ذکر الٰہی کرنے والا ہے اور اس ماحول میں شریعت کی پابندی کرنے والا ہے جہاں شریعت کا مذاق اڑایا جارہا ہو۔ شہید چمران، شہید بابائی اور شہید صیاد شیرازی اس کی بہترین مثال ہیں جو امریکہ جیسے آزاد اور برہنہ ماحول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن خدا کو فراموش نہیں کرتے۔ کہتے ہیں جب شہید چمران اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جارہے تھے ان کی والدہ انہیں رخصت کرنے آئیں اور ان سے وصیت کرتے ہوئے کہا: "مصطفیٰ میں تم سے کچھ نہیں چاہتی بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ جہاں بھی رہو خدا کو نہ بھولنا" تقریباً 22 سال کے عرصہ بعد جب وہ واپس ایران تشریف لائے تو انہوں نے اپنی ماں کی قبر سے مخاطب ہو کر کہا "خدا بود دیگر هیچ کس نبود" ماں! اس 22 سال کے عرصہ میں، میں نے آپ کی نصیحت کو نہیں بھلایا اور خدا کو فراموش نہیں کیا۔ میری زندگی میں صرف خدا تھا اور کوئی نہ تھا۔

3۔ برائی کا جواب اچھائی سے

دوسروں کے برے سلوک کے مقابلے میں دو طرح کے سلوک اور دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: بعض ایسے ہیں جو "جیسے کا تیسا" پر عمل کرتے ہیں یعنی اگر کوئی ان کے ساتھ برا کرے تو اسے ادھار نہیں رکھتے بلکہ نقد چکاتے ہیں اور بدلہ میں ویسا ہی جواب دیتے ہیں بلکہ بعض تو اس سے آگے نکل جاتے ہیں اور "اینٹ کا جواب پتھر" سے دیتے ہیں۔ اگر کسی نے ایک طمانچہ مارا ہے تو وہ دو مارتے ہیں۔ کسی نے ایک گالی دی ہے تو وہ چار دیتے ہیں۔
لیکن بعض مخالف جواب دیتے ہیں یعنی برائی کا جواب اچھائی سے۔ اگر کسی نے کوئی زیادتی کی تو حلم و صبر سے کام لیتے ہیں اور اگر پشیمان ہو گیا تو بخش دیتے ہیں۔ کوئی انہیں محروم

کر دے تو موقع سے فائدہ اٹھا کر بدلہ نہیں لیتے بلکہ کرم نوازی کرتے ہوئے عطا کرتے ہیں۔اور اگر کوئی ان سے قطع تعلق کرلے تو منہ پھیر کر بیٹھ نہیں جاتے بلکہ نیک تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام زین العابدینؑ سے حدیث ہے کہ قیامت کے دن آواز دی جائے گی "اہل فضل" آگے آئیں۔کچھ لوگ کھڑے ہو کر سامنے آئیں گے کہ ہم اہل فضل ہیں۔ان سے پوچھا جائے گا آپ کا فضل کیا تھا تو وہ کہیں گے: "كُنّا نَصِلُ مَنْ قَطَعَنا وَ نُعْطی مَنْ حَرَمَنا وَ نَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَنا "[16]

جو ہم سے قطع تعلق کرتا تھا ہم اس سے تعلق قائم کرتے تھے،جو ہمیں محروم کرتا تھا اسے عطا کرتے تھے اور جو ہمارے حق میں برا کرتا تھا اسے معاف کردیتے تھے۔

اگر معاشرے میں یہ اخلاق رائج ہو جائے زمین پر بھی جنت کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

4۔ صبر اور شکر

حدیث میں ہے کہ مومن اس مضبوط پہاڑ کے مانند ہوتا ہے جسے زمانے کی تیز و تند ہوائیں نہیں ہلا سکتیں۔اس پر مصیبتوں کے پہاڑ بھی ٹوٹ جائیں وہ دامن صبر کا ہاتھوں سے نہیں چھوٹنے دیتا ہے۔بلکہ اس کی پکار یہی ہوتی ہے:

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے　　　اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

اور وہ خدا کی ہر نعمت پر شکر کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات نہ ملنے پر بھی شکر کرتے ہیں کہ اگر مل جاتا تو نہیں معلوم وہ اس کا حق ادا کر پاتے یا نہیں۔امام علیؑ کے سامنے بعض افراد کی تعریف

---

[16] الکافی، جلد 3، صفحہ 149

ہوئی کہ آپ کے بعض چاہنے والے ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ایک بار امام کا ان کے پاس سے گزار ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا : تم کیا کرتے ہو جو تمہاری اتنی تعریف ہوتی ہے۔انہوں نے کہا: جب ہمیں ملتا ہے تو شکر کرتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔امام نے فرمایا: "یہ تو عرب کے کتوں کا طریقہ ہے۔"انہیں امام کا جواب سن کر تعجب ہوا تو پوچھا: مولا آپ کا طریقہ کیا ہے؟امام نے فرمایا: ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جب ہمیں نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں اور جب ملتا ہے تو اسے سب میں تقسیم کرتے ہیں۔مومن اگر شکر پروردگار میں جان بھی دیدے تب بھی یہ کہتا ہے کہ حق ادا نہیں ہوا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

5۔دوستی اور دشمنی خدا کے لئے

اگر کوئی مومن کا دشمن ہو تو اس سے بدلہ کی خواہش دل میں نہیں رکھتا کہ یہ کمینے لوگوں کی صفت ہے اور کسی کے ساتھ اس کی محبت اور دوستی اس بات کا سبب نہیں بنتی کہ اس کے لئے اپنے دین کو خطرے میں ڈال دے۔یہ دونوں چیزیں خطرناک ہیں کہ انسان دشمنی میں اتنا آگے نکل جائے کہ سامنے کو والے نقصان پہنچانے کی فکر میں رہے اور محبت میں اتنا اندھا ہو جائے کہ دین سے ہاتھ دھو بیٹھے۔دنیا میں نہ جانے کتنے افراد ہیں جو ان دونوں میدانوں میں افراط کا شکار ہیں اور اس کی وجہ سے نہ جانے کتنے افراد کا حق مارا جاتا ہے۔اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ دنیا کے تمام تر معاملات میں جان پہچان، رشتے ناطے اور دوستی و سفارش کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور حق کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

6۔بد گوئی سے پرہیز

امام صادقؑ کا ایک ساتھی تھا جو اکثر امام کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ایک بار وہ امام کے ساتھ بازار گیا تو ساتھ میں اس کا غلام بھی تھا۔ مختلف چیزیں دیکھتے ہوئے اس کا غلام کہیں رک گیا۔ اس نے غلام کو آواز لیکن وہ نہ سن سکا۔دوسری بار پکارا تو بھی نہ سکا۔جب تیسری بار بلانے پر بھی اس نے جواب نہیں دیا تو اس نے غلام کو ماں کی گالی دی۔امام نے غصہ سے اپنے ساتھی کو دیکھا اور سختی سے اسے جھڑکا کہ یہ کیسا کام تھا؟اس نے کہا: مولا اس کی ماں یہودی ہے۔امام نے فرمایا: ہر دین میں نکاح کا ایک طریقہ ہے جو جائز ہے تمہیں کس نے حق دیا اسے اس طرح پکارنے کا۔اس کے بعد امام نے اسے خود سے الگ کر دیا جس کے بعد وہ کبھی امام کے ساتھ نظر نہ آیا۔

بسا اوقات ہم اپنے مخالفین کے لئے بھی یہی رویہ اختیار کرتے ہیں اور ان کی مقدس شخصیات کے لئے نازیباالفاظ استعمال کرتے ہیں جس کی اسلام ہر گز اجازت نہیں دیتا۔اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ حقیقت میں دین اور تقوے سے دور ہے کیونکہ مومن اس بری صفت سے کوسوں دور ہے۔

7۔آخرت کے لئے مشقت

وہ دنیا میں آخرت کے لئے کام کرتا ہے۔خدا کی عبادت، خدمت خلق، دوسروں کی مدد، دردمندوں کا مداوا، بے سہارا لوگوں کو سہارا دینا اور اس طرح کے دوسرے کام جس سے خود کو تو تھکاتا ہے لیکن دوسرے اس کی وجہ سے آسائش میں رہتے ہیں اور وہ یہ سارے کام اس طرح سے انجام دیتا ہے کہ دنیا کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ ہمارے ائمہ دن میں

کام کرتے اور راتوں میں خدا کی عبادت کے علاوہ غربا پروری میں مصروف ہو جاتے تھے اور انہیں خبر نہیں ہوتی تھی کہ ان کا مسیحا کون ہے۔ پتہ اس وقت چلتا تھا جو انہیں شہید کر دیا جاتا تھا اور وہ اس دنیا سے چلے جاتے تھے۔

قَالَ: فَصَعِقَ هَمَّامٌ صَعْقَةً كانَتْ نَفْسُهُ فِيهَا۔(فَقَالَ أَمِيرُالْمُؤْمِنِينَ: أَمَا وَ اللهِ لَقَدْ كُنْتُ أَخَافُهَا عَلَيْهِ. ثُمَّ قَالَ: أَهكَذَاتَصْنَعُ الْمَوَاعِظُ الْبَالِغَةُ بِأَهْلِهَا۔ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: فَمَا بَالُكَ يَا أَمِيرَالْمُؤْمِنِينَ! فَقَالَ: وَيْحَكَ، إِنَّ لِكُلِّ أَجَل وَقْتاً لاَ يَعْدُوهُ، وَ سَبَباً لاَ يَتَجَاوَزُهُ۔ فَمَهْلاً ! لاَ تَعُدْ لِمِثْلِهَا، فَإِنَّمَا نَفَثَ الشَّيْطَانُ عَلَى لِسَانِكَ!
راوی کہتا ہے کہ جب امامؑ اس مقام پر پہنچے تو ہمام نے چیخ ماری اور ان کی روح اسی حالت میں قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: قسم خدا کی، ہمام کے بارے میں مجھے اسی حادثہ کا خدشہ تھا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: کیا مؤثّر وعظ و نصیحتیں اپنے اہل افراد پر اسی طرح اثر انداز ہوتی ہیں؟ یہ سن کر کسی نے عرض کی: یاامیر المومنینؑ ! آپ کے ساتھ ایسا کیوں نہ ہوا؟ فرمایا: وائے ہو تم پر، بے شک ہر موت کے لئے ایک معیّن وقت ہوتا ہے جس سے وہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتی اور اس کے لئے ایک سبب ہوتا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اب کبھی ایسا نہ کہنا کہ بلاشبہ شیطان نے یہ بات تمہاری زبان پر جاری کی ہے۔

ایک اہم سوال

یہاں ایک اہم سوال ذہن میں اٹھتا ہے جو اس اعتراض کرنے والے نے بھی پوچھا جس کے جواب میں امام نے فرمایا کہ ہر ایک کی موت کا وقت معین ہوتا ہے۔ لیکن کسی بھی قسم کے شیطانی وسوسے سے دور اگر اس سوال پر غور کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ہمام اگرچہ ایک عابد و زاہد انسان تھا جیسا کہ خطبہ کے شروع ہی میں ذکر ہوا ہے۔ وہ اگرچہ ایک دانا و ہوشیار شخص تھا جیسا کہ اس کے سوال سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی روح بہر حال امیر المومنینؑ کی روح کے مقابلے میں سمندر کے مقابل قطرہ کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ علی کی روح کی وسعت کائنات کی وسعت سے بھی زیادہ ہے۔ اور در حقیقت علی ہی ہیں جو ان تمام صفات و کمالات کے مالک ہیں جو اس خطبہ میں بیان کی گئی ہیں ورنہ دنیا میں کون ایسا انسان ملے گا جس کے اندر یہ ساری چیزیں ایک ساتھ پائی جاتی ہوں۔ یہ خطبہ در حقیقت حضرت علی علیہ السلام اور اہلبیت علیہم السلام جیسے انسانہائے کامل کی تصویر بیان کرتا ہے اور دوسروں کے لئے اس مقام تک پہنچنے کا عملی نقشہ بتاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ امام نے اس معترض کو کیوں جھڑک دیا جس نے امام سے کہا تھا کہ اگر ان باتوں میں اتنا اثر ہے تو آپ پر اثر کیوں نہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے یہ سوال کچھ سمجھنے یا جاننے کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کو یہ سمجھانے کے لئے کیا تھا کہ علی کی باتیں خود ان کے خلاف جا رہی ہیں۔ علی بولنا تو جانتے ہیں لیکن اہل عمل نہیں ہیں ورنہ ان باتوں کا خود ان پر اثر ہونا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے یہ ایک شیطانی فکر تھی کہ امام المتقین کو سب کے سامنے نیچے دکھانے اور رسوا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ورنہ سوچنے کی بات ہے کہ یہ باتیں علی جیسا بلند و عظیم روح کا مالک انسان ہی کہہ سکتا ہے جس نے یہ ساری باتیں ہضم کر لی ہوں، ان پر عمل پیرا ہوا اور ایمان و تقوا کی معراج پر فائز ہو۔